

میں احتیاط زیادہ ہو۔

مسافت قصر کے بارے میں مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قد جاء في هذا آثار مستخلفة فاختارنا في ذلك بالثقة، وجعلناه مسيرة ثلاثة أيام و لياليها، فلان يتم الرجل فيما لا يجب عليه أحب الينا من ان يقصر فيما يجب فيه التمام ”: اس سلسلے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ ہم نے زیادہ قابل اعتماد روایت کو لیا ہے، اور تین دن تین راتوں کو مسافت ٹھہرایا ہے، کیونکہ آدمی مکمل نماز واجب نہ ہونے کی صورت میں مکمل نماز پڑھ لیں، یہ ہمیں اس سے زیادہ پسند ہے کہ آدمی مکمل نماز پڑھنے کی صورت میں قصر نماز پڑھیں۔“

خلاصہ یہ کہ احتیاط کی بنا پر زیادہ مسافت قصر والی روایت کو لیا، کیونکہ قصر کی صورت میں پوری نماز پڑھنا تو کسی نہ کسی طرح قابل قبول ہے، لیکن پوری نماز واجب ہونے کی صورت میں قصر پڑھنا کسی بھی صورت میں قبول نہیں ہے۔ اس لیے جب مسافت قصر کے بارے میں کم اور زیادہ مدت کی روایتیں جمع ہوئیں، تو احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ زیادہ مدت والی روایت کو لیا جائے۔

ترجیح بھیمہ المتن

امام محمد رحمہ اللہ متعارض روایات میں بسا اوقات اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں، جس کا متن سب سے زیادہ محفوظ اور صحیح ہو۔ چنانچہ تشہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وليس في التشهد شيء اوثق من حديث عبد الله بن مسعود لانه رواه عن النبي صلى الله عليه واله وسلم وكان يكره ان يزيد فيه حرفا (او ينقص منه حرفا) وكان يعلمهم التشهد كما يعلمهم السورة من القرآن ”: تشہد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول تشہد سے زیادہ معتمد حدیث نہیں ہے، کیونکہ وہ اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی ناپسند کرتے تھے، اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو قرآن مجید کی طرح اہتمام کے ساتھ تشہد سکھایا کرتے تھے۔“

ترجیح بفقہ الراوی

متعارض روایات میں بسا اوقات صحابی کی فقہت اور اس کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بھی ترجیح دیتے ہیں، چنانچہ افلاس کے مسئلے میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وعلى اوثق في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابى هريرة واعلم ”: حضرت علی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے (فہم کے اعتبار سے) زیادہ با اعتماد اور حدیث کا زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔“

چونکہ یہ بات مسلم ہے کہ احادیث حضرت ابو ہریرہ کی زیادہ ہیں، اس لیے یہاں حدیث میں علم ہونے کا مطلب کثرت حدیث نہیں، بلکہ حدیث کی سمجھ اور حدیث میں تفقہ مراد ہے۔ کما لا يخفى

اسی طرح رفع یدین کے مسئلے میں بھی حضرت علی و حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات کو حضرت ابن عمر کی

روایت پر ان کی "علیت" کی بنا پر ترجیح دیتے ہیں۔

ترجیح بالقرائن والشواہد

امام محمد رحمہ اللہ بسا اوقات مختلف روایات میں اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس کی تائید دوسری روایات یا متنوع قرائن سے ہو رہی ہو، چنانچہ وتر زمین پر پڑھنے یا سواری پر پڑھنے کے حوالے سے مختلف روایات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فاخذنا باوثقها واشبهها بالحق وبما جاءت به الآثار من التشديد في الوتر
”ہم نے ان روایات میں محمد روایت کو لیا، اور اس روایت کو جو حق کے موافق ہے (یہ قرائن کی طرف اشارہ ہے) اور وتر کے سلسلے میں تشدید والی دیگر روایات کے مطابق ہے۔“

شاذ کے مقابلے میں معروف روایات کو ترجیح

متعارض روایات میں اگر کوئی روایت دیگر معروف روایات کے خلاف ہو، تو امام محمد رحمہ اللہ اس کو بھی رد کرتے ہیں۔ سجدہ سہو قبل السلام یا بعد السلام کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن نحسین کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قليل لهم: ان تقبل هذا بترك السنة والآثار المعروفة بقول رجل لا يروى عنه غير
حدیث واحد

”اہل مدینہ سے کہا جائے گا کہ کیا ہم اس روایت کو قبول کر کے سنت اور دیگر معروف روایات ایک ایسے آدمی کی روایت کی بنا پر چھوڑ دیں جس سے اس حدیث کے علاوہ اور کوئی روایت منقول نہیں ہے۔“
حضرت عبداللہ بن نحسین کی واقعی کتب حدیث میں یہی ایک روایت ہے، اس کی صحت و عدم صحت سے قطع نظر اس سے امام محمد رحمہ اللہ سے ترجیح کا ایک اہم اصول ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح مس ذکر کے مسئلے میں بھی حضرت بسرہ کی روایت کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ یہ روایت دیگر اجلہ صحابہ کی معروف روایات کے خلاف ہیں۔

صحابی کے قول کو لینے والے پر نکیر درست نہیں

امام محمد نے اس اہم اصول کو بھی جا بجا ذکر کیا ہے کہ صحابہ کے اختلافات کے وقت جس کے قول کو لیا جائے، وہ درست ہے، اس سے مخالف فریق پر نکیر درست نہیں ہے۔
میراث الحجد کے سلسلے میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قول العامة على قول زيد بن ثابت، وكل ان شاء الله حسن جميل
”جمہور نے حضرت زید بن ثابت کا قول لیا ہے، اور ہر قول ان شاء اللہ اچھا اور خوب ہے۔“

نبج بالبراءة کے مسئلے میں صحابہ کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلنا لهم اجل، قد راى ما قلتم و راى عبد الله بن عمر ما قلنا، فمن اخذ بقول
عبد الله بن عمر لم يسيء فهو امام من ائمة المسلمين

”اہل مدینہ کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، حضرت عثمان کی رائے وہی جو تم نے کہا ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وہی ہے جو ہم نے کہا ہے، تو جس نے حضرت ابن عمر کی رائے کو لیا، اس نے برا نہیں کیا، کیونکہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک بڑے امام ہیں۔“

فعل کی بہ نسبت قول قوی ہوتا ہے

مقام اٹل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول فرمایا تھا، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

و لو كان هذا من الواجب لقال فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه قولاً ابين من الفعل حتى يعرفه الناس بالقول دون الفعل

”اگر یہ نزول واجب ہوتا، تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کچھ ضرور فرماتے، درنحالیکہ قول فعل سے زیادہ واضح ہوتا ہے، تاکہ لوگ فعل کی بجائے قول سے اس حکم کو پہچان لیتے۔“

نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ محض فعل وجوب کے لیے کافی نہیں ہوتا، جب تک کہ کوئی قرینہ نہ ہو۔ لفظ کا حقیقی معنی اولیٰ ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کے کلام سے اس اصول کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ نصوص میں حقیقی معنی مراد لیا جائے گا۔ چنانچہ نکاح الصغیر کے جواز پر قرآن پاک کی درج ذیل آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد اجاز الله تعالى في كتابه نكاح اليتيم واليتيم اللذان لم يبلغا، لانه لا يتم بعد بلوغ ولا يكون ايضاً يتيمه ولها والد

”اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یتیم و یتیمہ کے نکاح کی اجازت دی ہے، جو بالغ نہ ہوئے ہوں، کیونکہ بلوغ کے بعد یتیم نہیں رہتا، اور نہ ہی اس کو یتیم کہتے ہیں جس کا والد ہو۔“

یہاں نکاح یتیم والی آیت سے صغیر کے نکاح پر جواز حقیقی معنی کے واسطے سے ہے۔ اس سے آگے امام محمد رحمہ اللہ نے دو صفحات میں اس مسئلے پر دل نشیں بحث کی ہے، اور آخر میں آیت میں صرف کبیرہ مراد لینے پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاما ان تخرجوا الصغيرة من اليتيم وتجعلوه الكبيرة خاصة يتيمة فهذا امر لا يكون لكم۔

”البتہ یہ بات کہ صغیرہ کو یتیم کے معنی سے نکال کر صرف کبیرہ کو یتیم کے تحت داخل کیا جائے، یہ تمہارے لیے مناسب نہیں ہے۔“

یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا

ربا کے ایک مسئلے میں اصول فقہ کے اس اہم ترین قاعدے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و كيف يبطل اليقين بموضع التهمة وقد قال الله تعالى ان الظن لا يغني من الحق شيئاً

”اور یقین کیسے شک و تہمت سے زائل ہو سکتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شک حق (یقین) کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔“

قضاء ادا کے مثل ہے

امام محمد رحمہ اللہ نے ایک جگہ اصول فقہ کے اس مشہور بحث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قضاء کیفیت و ادا میں ادا کے مشابہ ہے۔ مسافر کی حالت سفر میں قضاء کی گئی نمازوں کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأنه انما يقضى مثل الذي كان عليه
”کیونکہ قضاء اس واجب کے مثل ہوتی ہے، جو اس کے ذمے ہوتی ہے۔“

مثبت نافی پر مقدم ہے

شفعة للحجار کے مسئلے میں اہل مدینہ کی حدیث ”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم يقض لجار شفعة“ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و ما اظن ان يكون بين الناس خلاف ان من شهد بكذا و كذا، قد كان
احق ان تقبل شهادته من الذي يقول ان كذا و كذا لم يكن
”میرا خیال نہیں ہے کہ لوگوں کے درمیان اس بات میں اختلاف ہو، کہ جس نے کسی چیز کے ہونے کی گواہی دی، وہ اس سے زیادہ حقدار ہے جس نے اس کے نہ ہونے کی گواہی دی ہو۔“

خاتمہ

امام محمد رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ”الحجۃ علی اہل المدینہ“ سے اصولی مباحث کا ایک اجمالی خاکہ ملاحظہ کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فقہ حنفی کی امہات الکتاب اصولی مباحث کا انمول خزانہ ہیں۔ ان اصولی مباحث سے جہاں ائمہ ثلاثہ کے طرز استنباط و استخراج کی بھلک سامنے آتی ہے، وہاں اصولیین حنفیہ کے تخریج کردہ اصولوں کی بھی تائید ہوتی ہے، ان کی حیثیت ائمہ ثلاثہ کی صراحت کے قریب قریب ہے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت کرنا چاہوں گا کہ یہ کتاب الحجۃ کے اصولی مباحث کا مکمل استقصا نہیں ہے۔ نمونے کے طور پر صرف چند صریح اور اپنے مدعا پر واضح مباحث پیش کیے گئے، ورنہ کتاب میں اصول فقہ و اصول حدیث کے بے بہا موتی مستور ہیں۔

فضلائے مدارس کے معاشی مسائل

حالات، ضروریات اور ممکنہ راستے

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم وآله وصحبه اجمعين و بعد۔

میں اپنی بات کا آغاز قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مبارک حدیثوں سے کروں گا۔ سورہ نوح میں آتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دیتے ہوئے، اللہ کی طرف بلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ مغفرت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں چلا جائے گا۔ لیکن حضرت نوح علیہ السلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا:

اَسْتَغْفِرُكَ رَبُّكَمُ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلَ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَيُبْنِيَنَّ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝

کہ اگر تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو گے تو دنیا میں تمہیں یہ یہ فوائد حاصل ہوں گے۔ اور یہ بات قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں ہے، اور جگہوں پر بھی ہمیں ملتی ہے کہ انبیاء کرامؑ نے اپنے مدعوین کو مخاطب بناتے ہوئے، اپنی قوموں کو مخاطب بناتے ہوئے ان کے سامنے یہ بات بھی رکھی کہ اس چیز کا تمہیں دنیا میں کیا فائدہ ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا مقصود ہے۔ دنیا مقصود نہیں ہے، محض ذریعہ ہے۔ اصل مقصود آخرت ہے۔

فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز۔

ایک مومن کا مقصود اصلی تو یہی ہے، لیکن بہر حال دنیوی مفاد جب انسان کے سامنے آتا ہے تو اس سے کام کی رغبت بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ کام کرنا آسان بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت نوحؑ کا یہ خطاب تو ان لوگوں کو تھا جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور ان کو ایمان کی دعوت دی جا رہی تھی۔ سرور دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات کے اندر ایک اعلان فرمایا اور یہ اعلان ان لوگوں کے لیے نہیں تھا جو ان کی ایمان کی دعوت دی جانی تھی، بلکہ یہ وہ ہستیاں تھیں جو آنحضرتؐ پر ایمان لا چکی تھیں، ان کے ایمان کی گواہی قرآن مجید دے چکا تھا، اور وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے

* استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

ماہنامہ الشریعہ _____ ۲۷ _____ مئی ۲۰۱۶